مولانا ابوالکلام آزاد
اور
مسئلۂ نزولِ مسیح علیہ السلام

امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ وبرکاتہٗ کے بارے میں جناب عبدالمجید سالک اور مرزائیوں نے بارہا یہ شوشہ چھوڑا کہ مولانا مرحوم نزولِ مسیح علیہ السلام کے قائل نہیں ذیل میں اس مذموم پروپیگنڈا کا جواب ہے۔ یہ کوئی مستقل مضمون نہیں بلکہ اس موضوع پر حضرت مولانا مرحوم کے وضاحتی خطوط ہیں جو شکوک و شبہات کے ازالہ کے لئے پیشِ قارئین ہیں۔ "ادارہ"

حبی فی اللہ! السلام علیکم!

خط پہنچا۔ آپ دریافت کرتے ہیں احمدی فرقہ کے دونوں گروہوں میں سے کون سا فرقہ حق پر ہے؟ قادیانی یا لاہوری؟ میرے نزدیک دونوں حق وصواب پر نہیں ہیں۔ البتہ قادیانی گروہ اپنے غلو میں بہت دُور تک چلا گیا ہے۔ حتیٰ کہ اسلام کے بنیادی عقائد متزلزل ہو گئے ہیں۔ مثلاً اس کا یہ اعتقاد کہ اب ایمان ونجات کے لئے اسلام کے معلوم ومسلّم عقائد کافی نہیں، مرزا صاحب قادیانی پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ لیکن لاہوری گروہ کو اس غلو سے انکار ہے وہ نہ تو مرزا صاحب کی نبوّت کا اقرار کرتا ہے نہ ایمان کی شرائط میں کسی نئی شرط کا اضافہ کرتا ہے اسے جو ٹھوکر لگی ہے اس بے محل اعتقاد میں لگی ہے۔ جو اس نے مرزا صاحب کے لئے پیدا کر لیا ہے۔ باقی رہے مرزا صاحب کے دعاوی تو میں نہیں سمجھتا کہ کوئی شخص جس نے اسلام کے اصول ومبادیات کو سمجھا ہے۔ اور عقلِ سلیم سے بے بہرہ نہیں یہ دعاوی ایک لمحہ کے لئے بھی تسلیم کر سکتا ہے۔

آپ نے اپنی طبیعت کے اضطراب کا ذکر کیا ہے۔ میں آپ کو ایک موٹی بات لکھتا ہوں اگر غور کیجیئے گا تو انشاء اللہ ہر طرح کے اضطراب و شکوک دُور ہو جائیں گے۔

آپ دو باتوں پر یقین رکھتے ہیں یا نہیں؟ ایک یہ کہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ دوسری یہ کہ انسان کی نجات کے لئے جن جن باتوں کے ماننے کی ضرورت تھی وہ سب اس نے صاف صاف بتلا دی ہیں۔ یعنی ایسا نہیں ہو سکتا کہ کوئی اعتقاد شرط نجات ہو۔ اور اس نے صاف و صریح نہ بتلا دیا ہو۔

اگر یقین رکھتے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ رکھتے ہیں تو غور کیجیئے اگر ایک زمانے میں مسلمانوں کے لئے کسی نئے ظہور پر ایمان لانا ضروری تھا۔ تو کیا ضروری تھا کہ قرآن اس کا صاف و صریح حکم دیتا۔ کم از کم اتنی صراحت کے ساتھ جتنی صراحت کے ساتھ اقیموا الصلوٰۃ و اٰتوا الزکوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے؟

اچھا قرآن کی ایک ایک آیت دیکھ جائیے۔ کہیں آپ کو یہ حکم ملتا ہے کہ ایک زمانہ میں کوئی نبی، یا مسیح یا مجدد یا محدث (بالفتح) مبعوث ہوگا۔ اور مسلمانوں کے لئے ضروری ہوگا کہ اسے پہچانیں اور اس پر ایمان لائیں؟ اگر کوئی ایسا حکم نہیں ملتا۔ تو پھر آپ پر کون سی مصیبت آ پڑی ہے کہ بیٹھے بٹھائے اس جھگڑے میں پڑیں اور ایک نئے ایمان اور نئی شرائط نجات کے سراغ میں نکلیں؟

اس بارے میں دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ تیسری کوئی نہیں۔ یا تو نجات کے لئے دو عقائد کافی ہیں۔ جو قرآن نے صاف صاف بتلا دیئے ہیں ـــــ یا پھر کافی نہیں ہیں۔ اگر کافی ہیں تو قرآن نے کہیں یہ حکم نہیں دیا ہے کہ کسی نئے ظہور پر ایمان لاؤ۔ اگر کافی نہیں ہیں۔ اور نئے شرائط نجات کی گنجائش باقی ہے تو پھر قرآن ناقص نکلا۔ اتنا ہی بلکہ وہ اپنے اعلان الیوم اکملت لکم دینکم میں صادق ہے۔

ہر مسلمان کے سامنے دونوں راہیں کھلی ہیں۔ جو راہ چاہے اختیار کر لے۔ اگر قرآن پر ایمان ہے تو نئی شرط کی گنجائش نہیں۔ اگر نئی شرط نجات مانی جاتی ہے تو قرآن اپنی جگہ باقی نہیں رہا۔

وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ۔

ابوالکلام

گزشتہ مکتوب پر سائل نے پھر کچھ خدشات پیش کئے۔ جس پر مولانا نے ذیل کا مکتوب گرامی ارسال فرمایا،

حبی فی اللہ! السلام علیکم!

خط پہنچا۔ میں پچھلے خط میں جو کچھ لکھ چکا ہوں۔ اس پر پوری طرح غور کیجئے جو نئے سوالات آپ نے لکھے ہیں۔ ان سب کا جواب اس میں آچکا ہے کسی ایسے سوال کی گنجائش باقی نہیں رہی ہے۔

مجدّد کی کوئی ضرورت نہیں:

جو لوگ کہتے ہیں مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ ہر صدی کے کسی مجدد پر ایمان لائیں ان سے پوچھئے کہ یہ حکم کس قرآن میں نازل ہوا ہے؟ اگر قرآن سے مقصود وہ قرآن ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے تو بتلائیے کس پارہ کس سورت کس آیت میں یہ بات کہی گئی ہے کہ ہر صدی میں ایک مجدد آئے گا اور مسلمانوں کے لئے ضروری ہے اس کی معرفت حاصل کریں اور اس پر ایمان لائیں؟ اگر نہیں کہی گئی ہے تو ہمیں کون سی ضرورت ہے کہ اس لغویت میں پڑیں۔ ہم نہیں جانتے کہ مجدد کیا بلا ہوتی ہے۔ ہم جو کچھ جانتے ہیں وہ یہ ہے کہ اللہ کی آخری ہدایت آچکی ہے جس کا نام قرآن ہے اور جس کے مبلغ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

جو انسان اس پر ایمان لاتا ہے اور اس کے بتائے ہوئے احکام پر عمل کرتا ہے اس کے لئے نجات ہے۔ اس سے زیادہ ہم کچھ نہیں جانتے اور نہ جاننے کی ضرورت ہے۔ جو شخص کہتا ہے کہ نجات و سعادت کے حصول کے لئے یہ کافی نہیں اور کسی مجدد پر ایمان لانا ضروری ہے وہ یا تو اسلام پر بہتان لگاتا ہے یا اسلام کی بو بھی اس نے نہیں سونگھی ہے

باقی رہا نزولِ مسیح کا معاملہ تو یہ ایک نہایت اہم معاملہ ہے اور اگر کسی زمانے میں مسلمانوں کی نجات و سعادت اس پر موقوف رہنے والی تھی۔ تو ضروری تھا کہ قرآن صاف صاف اسے بیان کر دیتا۔ اسی طرح صاف صاف جس طرح اس نے تمام مہمات دینیہ و اعتقادیہ بیان کر دی ہیں۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ قرآن میں کوئی تصریح موجود نہیں۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ ہم اس کے اعتقاد پر مجبور ہوں۔ ہمارا اعتقاد ہے کہ اب نہ کوئی بروزی مسیح آنے والا ہے نہ حقیقی۔ قرآن آچکا ہے اور دین کامل ہو چکا۔

اگر آپ طالب حقیقت ہیں تو ان جھگڑوں میں نہ پڑیئے۔ نہ ان خرافات کے بارے میں وہ

سوالات، کیجیئے۔ ہمیں تلاش نجات کی ہے۔ اگر نجات کے لئے قرآن کامل ہے تو پھر وہ عقائد کافی ہیں جو قرآن نے بتلادیئے ہیں زیادہ کاوش میں ہم پڑیں ہی کیوں؟

ابوالکلام

دوسرے مکتوب میں بعض باتوں سے سخت تشویش کا اظہار کیا گیا۔ اور اس سلسلہ میں مولانا سے دریافت کیا گیا کہ۔

۱۔ کیا آپ کے نزدیک صحیح حدیث حجت ہے یا نہیں؟

۲۔ آپ کے الفاظ" اب نہ کوئی بروزی مسیح آنے والا ہے نہ حقیقی، قرآن آچکا اور دین کامل ہوچکا" کا کیا مطلب؟

اس کے جواب میں مولانا نے ایک مستقل بیان تحریر فرماکر بہت بڑی غلط فہمی کا ازالہ کردیا۔

حبی فی اللہ! السلام علیکم!

خط پہنچا۔ معاف کیجیئے گا۔ اگر آپ حضرات کے نظر مطالعہ کا یہی حال ہے تو میں نہیں سمجھتا کہ کوئی تحریر بھی سود مند ہوسکتی ہے۔

ایک شخص نے لکھا کہ میں اپنے ایمان ونجات کے بارے میں سخت مضطرب ہورہا ہوں۔ کیونکہ مجھے بتلایا جارہا ہے کہ مسیح موعود پر ایمان لانا ضروری ہے۔ یہ شخص کوئی عالم دین نہیں ہے۔ تفسیر و حدیث کا ماہر نہیں ہے۔ صرف اس درجہ کی دینی معلومات رکھتا ہے جو ہر پڑھے لکھے مسلمان کو ہوا کرتی ہیں۔ میں نے اس کے جواب میں ایک موٹی سی بات لکھ دی۔ جس کے پرکھنے کے لئے کسی غیر معمولی علم ونظر کی ضرورت نہیں یعنی وہ قرآن کو کلام الٰہی مانتا ہے یا نہیں؟ اور اس بات پر یقین رکھتا ہے یا نہیں کہ ایمان ونجات کی تمام شرطیں اس میں بیان کردی گئی ہیں؟ اگر یقین رکھتا ہے تو دیکھ لے قرآن میں کہیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ آئندہ کسی نئے ظہور پر بحیثیت ایک نبی کے ایمان لانا ضروری ہوگا؟ اگر نہیں دیا گیا ہے تو کم از کم یہ بات، واضح ہوگئی کہ شرائط ایمان ونجات میں کوئی نیا اضافہ نہیں ہوسکتا اور اس کے رفع اضطراب کے لئے یہ کافی ہے۔ فرمایئے اس میں احادیث کے حجت نہ ہونے کا سوال کہاں سے پیدا ہوگیا؟ اگر ایک شخص کہے کہ قرآن میں یہ بات نہیں آئی تو کیا اس سے لازم آگیا کہ وہ حدیث کا

منکر ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

میں ایک مستفسر کو جو اپنا اضطراب قلب ظاہر کرتا اور ایک قطعی اور فیصلہ کن بات کا خواہشمند ہے۔ کیوں یہ لکھوں کہ احادیث کا مطالعہ کرے؟ میں جانتا ہوں وہ احادیث کے مطالعہ سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے علم ونظر کی ضرورت ہے۔ لیکن قرآن ایک ایسی چیز ہے جس سے کوئی مسلمان بھی بے خبری ظاہر نہیں کر سکتا جو شخص چاہے اس کا ترجمہ اٹھا کر دیکھ لے سکتا ہے اور براہ راست فیصلہ کر لے سکتا ہے کہ فلاں بات کا اس میں حکم دیا گیا ہے یا نہیں؟ اس طرح ایک قطعی اور فیصلہ کن حقیقت سامنے آجاتی ہے دوسرے طریقوں سے نہیں آسکتی۔ اب آپ نے مجھے خط لکھا ہے تو میں آپ کو نہ صرف قرآن کا حوالہ دوں گا بلکہ احادیث بھی لکھوں گا۔ تمام احادیث دیکھ جائیے کسی حدیث میں بھی یہ حکم نہیں ملے گا کہ آئندہ مسلمانوں کو کسی نئے ظہور پر بھی ایمان لانا چاہیئے ورنہ شہادتین کا قرار بے سود ہو جائے گا اور یہ اس لئے لکھوں گا کہ مجھے معلوم ہے مخاطب احادیث کی خبر رکھتا ہے اور ان کے مطالعہ ونظر سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔

اگر لوگوں میں چشم بصیرت ہوتی تو معلوم کر لیتے کہ میں نے اس خط میں جو بات لکھ دی ہے اس نے ساری بحثوں کا خاتمہ کر دیا ہے۔ مگر مصیبت یہ ہے کہ یہی جنس اب ہمارے بازاروں میں ناپید ہو گئی ہے۔

حدیث حجت شرعی ہے:

آپ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ "صحیح حدیث آپ کے نزدیک حجت ہے یا نہیں" میں اس کا آپ کو کیا جواب دوں؟ یہ سوال آپ اس شخص سے کر رہے ہیں جس نے اپنی بے شمار تحریروں میں نہ صرف احادیث کو حجت شرعی اور واجب العمل ثابت کیا ہے بلکہ صاف صاف لکھ دیا ہے کہ و یعلمھم الکتاب والحکمۃ میں "حکمت" سے مقصود سنت ہے کہ

الا انی اوتیت الکتب ومثلہ۔

ایں دو شمع اند کہ از یک دگر افروختہ اند

حدیث مجدد پر روشنی:

یہ آپ کا سوال ویسا ہی ہے جیسا ایک صاحب نے مجدد کی نسبت سوال کیا ہے۔ میں نے اس خط میں لکھا ہے کہ اسلامی عقائد میں کسی ایسے مجدد کی ہستی ثابت نہیں جس پر

ایمان لانا شرطِ اسلام و نجات ہو۔ ظاہر ہے کہ اس میں جس مجدّد کی ہستی سے انکار کیا گیا ہے۔ اس سے مقصود ایسا مجدّد ہے جس پر ایمان بالرسل کی طرح ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہو نہ کہ مجدّد لغوی۔ یعنی ایسے مصلحینِ اُمّت جو دین میں تازگی پیدا کردیں۔ لیکن وہ لکھتے ہیں۔ اس سے نفس تجدید کا انکار لازم آگیا اور حدیث "من یجدد لہا دینہا الخ" کا کیا جواب ہے؟ اب کہیئے میں اس کا کیا جواب دوں؟ جن لوگوں کو اتنی سمجھ بھی نہیں ہے کہ کون سی بات کس محل اور کس تخاطب میں کہی گئی ہے اور کس بات کا زور کس نقطہ پر پڑ رہا ہے ان سے کوئی عہدہ برآ ہو تو کیوں کر ہو؟ یہ صاحب مجھے تجدید یاد دلا رہے ہیں حالانکہ اگر انہوں نے "تذکرہ"¹ پڑھا ہوتا تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ میرے لئے یہ یاد دہانی غیر ضروری ہے۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی ہے کہ اس دور میں مقامِ تجدید کے غوامض و دقائق سے پردہ اُٹھائے وہ کم از کم حدیث من یجدد لہا دینہا سے بے خبر نہیں ہو سکتا۔

نزولِ مسیح علیہ السلام:

آخر میں آپ نے سوال کیا ہے۔ اس جملہ کا کیا مطلب ہے کہ "اب نہ کوئی بروزی مسیح آنے والا ہے نہ حقیقی۔ قرآن آچکا اور دین کامل ہو چکا۔ جواب یہ ہے جو اُردو زبان میں اس جملہ کا ہو سکتا ہے یعنی دینِ اسلام اپنی تکمیل میں اب کسی نئے ظہور کا محتاج نہیں اس کے لئے نہ تو کسی بروزی مسیح کی ضرورت ہے نہ حقیقی کی۔ ہاں بلاشبہ احادیث میں حضرت مسیح علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک ایسے نزول کی خبر دی گئی ہے جو قیامت کے آثار و مقدمات میں سے ہوگا۔ کسی حدیث میں یہ نہیں ہے کہ ان کا ظہور بحیثیت رسول کے ہوگا۔ یا تکمیل دین کا معاملہ ان کے نزول پر موقوف ہے۔ پس تکمیل دین کے لئے ہم کسی نئے ظہور پر اعتقاد نہیں رکھتے ہم سمجھتے ہیں کہ دین کا معاملہ کامل ہو چکا پھر کیا آپ کو اس اعتقاد سے انکار ہے؟ کیا آپ سمجھتے ہیں قرآن ناقص ہے دین کا معاملہ پورا نہ ہو سکا اور اب نئے نئے ظہور ہوتے رہیں گے تاکہ دین کامل ہو جائے۔

میری سمجھ کچھ کام نہیں دیتی آخر آپ کے احباب کو تشویش کس بات پر ہوئی ہے۔ ان خطوں میں کون سی بات ایسی ہے جو اس درجہ ناگوار گزری؟ کیا یہ بات کہ قرآن کی کسی آیت میں کسی نئے

---

¹: تصنیف مولانا ابوالکلام آزاد

ظہور پر ایمان لانا شرطِ نجات نہیں بتلایا گیا ہے؟ آپ لکھتے ہیں اس سے حدیث کا انکار لازم آگیا؟ اگر ایسا ہی ہے تو براہِ عنایت مجھے اس حدیث سے مطلع کیجئے۔ چونکہ میرے علم میں کوئی ایسی حدیث نہیں ہے۔ نہ مسلمانوں کا کوئی ایسا اعتقاد ہے۔ اس لئے یہ ناقابلِ معافی جرم مجھ سے سرزد ہوگیا۔

اگر کہا جائے یہ بات شرائطِ ایمان و نجات میں سے نہیں ہو سکتی اگر ہوتی تو ضروری تھا کہ قرآن نے حکم دیا ہوتا کیوں کہ شرائطِ ایمان و نجات کے اعلان میں وہ ناقص نہیں تو آپ کہیں کہ اس سے حدیث کا انکار لازم آگیا۔ اگر کہا جائے اسلامی عقائد میں کسی ایسے مجدد اُمت کی جگہ نہیں جس پر ایمان لانا مثل اقرارِ شہادتین کے ضروری ہو تو کہا جائے، نفسِ تجدید سے انکار کر دیا گیا۔ اور مصلحینِ امت کی ہستی باقی نہیں رہی۔ اگر کہا جائے قرآن آچکا۔ دین کامل ہو چکا اب تکمیل دین کے لئے نہ کسی بروزی مسیح کی ضرورت ہے نہ حقیقی کی تو کہا جائے کہ نزولِ مسیح کی خبر سے انکار کر دیا گیا۔ اور صحیحین کی روایات کا کیا جواب ہے؟ گویا روایات میں جس نزول کی خبر دی گئی ہے وہ دین و قرآن کے نقص کی تعمیل کے لئے ہے۔ اگر لوگوں کی فہم و بصیرت اور عقل و انصاف کا یہی حال ہے تو اس کے سوا کیا کہا جائے کہ اللہ مسلمانوں کی حالت پر رحم کرے۔

آپ لکھتے ہیں "ایک خاص جماعت کے لوگ یہ پروپیگنڈا کر رہے ہیں کہ حدیث کے حجت ہونے سے انکار کر دیا گیا" ٹھیک ہے وہ ضرور ایسا کرتے ہوں گے لیکن معاف کیجئے گا آپ کی عقل و بصیرت کو کیا ہوگیا؟ کیا محض اس لئے کہ چند آدمیوں نے ایک بات کہہ دی۔ بدحواس ہو جانا چاہیئے اور سمجھ لینا چاہیئے کہ حدیث سے انکار کر دیا گیا؟ کیا آپ کے لئے ضروری نہیں تھا کہ ان خطوں کی عبارت پڑھتے اور پوچھتے کہ حدیث کے حجت ہونے نہ ہونے کا سوال کہاں سے پیدا ہوگیا؟ میں آپ کے اخلاص و محبت کا شکر گزار ہوں، مجھے یقین ہے یہ محبت و اخلاص کی خلش ہے۔ جس نے آپ کو خط لکھنے اور استفسارِ حال پر مجبور کیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے لیکن میری طبیعت پر ان باتوں کا جو اثر پڑتا ہے وہ بالکل دوسرا ہے۔ میں ان باتوں میں زمانہ کی فکری اور اخلاقی جہالت کی جھلک دیکھتا ہوں اور وہ مجھے بہت ہی افسوس ناک دکھائی دیتی ہے۔

ابوالکلام

گزشتہ خطوط میں ظہورِ مسیح اور حدیثِ مجدد پر جن خیالات کا اظہار کیا گیا تھا اس سے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ شاید مولانا آزاد کو احادیث متعلقہ نزولِ مسیح سے انکار ہے چنانچہ مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری نے بھی تشویش کا اظہار فرمایا اور اپنے اخبار اہلِ حدیث میں مولانا آزاد کے نام ایک مکتوب مفتوح شائع کیا جس میں مطالبہ کیا کہ مولانا اپنے نظریہ کی وضاحت فرمائیں۔

اس کے جواب میں مولانا ابوالکلام آزاد نے جو مکتوب مدیر اہلِ حدیث کو ارسال فرمایا وہ تمام وکمال درج ہے۔

مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

آپ نے ازراہِ عنایت اہلِ حدیث کا جو پرچہ بھیجا تھا وہ وصول ہوا۔ جو تحریر اس میں شائع فرمائی ہے وہ نظر سے گزری۔ حیران ہوں کہ آخر ان خطوں میں کون سی ایسی بات تھی جس سے ان دور از کار نتائج کی طرف آپ کا ذہن منتقل ہوا۔ یہ خطوط ایک خاص شخص کے خاص استفسار کے جواب میں لکھے گئے ہیں اور ضروری ہے کہ اسے پیشِ نظر رکھا جائے۔ مستفسر نے لکھا تھا کہ

"ایک عرصہ سے بعض احمدی مبلغ قادیانی طریقہ کی دعوت دے رہے ہیں میں نے کئی صاحبوں سے استفسار کیا۔ لیکن جوابات سے ردّوکد کا ایک لمبا چوڑا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔ دل کا کانٹا نکلتا نہیں۔ جو بات سب سے زیادہ مضطرب کر رہی ہے وہ یہ ہے کہ معاملہ ایمان ونجات کا ہے اگر واقعی کسی نئے ظہور پر ایمان ضروری ہوا اور میں انہی بحثوں میں رہ جاؤں تو کل کو میرا کیا حشر ہوگا؟"

میں نے اس کے جواب میں ایک ایسی موٹی سی بات لکھ دی جو مخاطب کے اذعان ورفع اضطراب کے لئے قاطع اور مختتم ہوسکتی تھی اور جس کے فہم کے لئے نہ تو اصول ومقدمات کی ضرورت ہے نہ علم وفن کی استعداد کی۔ ایک لمحہ میں ساری ردّوکد ختم ہوجاتی ہے۔ میں نے لکھا کہ اتنی بات مانتے ہو یا نہیں کہ قرآن کلامِ الٰہی ہے اور جن باتوں پر ایمان لانا شرطِ اسلام ونجات ہے وہ اس نے بتلا دیئے ہیں۔ اچھا کسی بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ قرآن کا کوئی ترجمہ اٹھا کر دیکھ لو کہیں یہ حکم پاتے ہو کہ آئندہ ایک زمانے میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا

بے سود ہو جائے گا اور ایک نئے ظہور پر ایمان لانا پڑے گا یا کسی زمانے میں اسلام کی پچھلی دو شہادتیں بیکار ہو جائیں گی اور ایک تیسری شہادت کا اضافہ ہو جائے گا مثلاً ایمان بالمجدد؟ اگر نہیں پاتے تو پھر کون سی مصیبت آپڑی ہے کہ اس جھگڑے میں پڑتے ہو اور اپنے ایمان و نجات کی طرف سے مضطرب ہوتے ہو۔

بلاشبہ اس تخاطب میں میں نے صرف قرآن کا ذکر کیا۔ احادیث کا ذکر نہیں کیا۔ مگر اس لئے نہیں کیا کہ مخاطب کے لئے اتنا ہی کہنا قاطع و فیصلہ کن تھا۔ ورنہ ظاہر ہے کہ احادیث میں بھی کہیں یہ بات نہیں آئی ہے کہ آئندہ شرائطِ ایمان میں ایک نئی شرط بڑھ جائے گی اور ایک نئے رسول پر ایمان لانا ضروری ہوگا۔

اب فرمایئے اگر ایسا لکھ دیا گیا تو اس میں کون سی برائی کی بات ہوگئی۔ جو اس درجہ ناگواری خاطر کا موجب ہو رہی ہے کیا قرآن کا حوالہ دینا انکارِ حدیث کے لئے مستلزم ہے۔ کیا احادیث میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ نئے ظہوروں پر ایمان باللہ و ایمان بالرسول کی طرح ایمان لاتے رہنا۔

اس کے بعد مستفسر نے اپنے مبلغ دوست کا قول نقل کیا کہ مسلمانوں کو ہر صدی کے مجدد پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے۔ نیز یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت مسیح علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام بہ حیثیت رسول کے آئیں گے اور انہیں کے ہاتھوں اس دین کی تکمیل ہوگی میں نے اس کے جواب میں لکھا کہ یہ صحیح نہیں ہے اسلامی عقائد میں کسی ایسے مجدد کی جگہ نہیں۔ جس پر ایمان بالرسول کی طرح ایمان لاتے رہنے کا حکم دیا گیا ہو۔ باقی رہا نزول مسیح کا معاملہ تو شرائطِ ایمان کی ترمیم و تنسیخ کا معاملہ نہایت اہم اور اساسی معاملہ ہے اگر مسلمانوں کی نجات آئندہ کسی نئے ایمان پر موقوف رہنے والی ہوتی تو ضروری تھا کہ اس کا صاف صاف حکم دیا جاتا۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ایسا کوئی حکم نہیں دیا گیا ہے۔ پس ہمارا عقیدہ یہی ہونا چاہیئے کہ دین کامل ہو چکا آخری کتاب نازل ہو چکی۔ اور اب تکمیلِ دین کے لئے نہ کسی بروزی مسیح کی گنجائش ہے نہ حقیقی مسیح کی۔

یہ ظاہر ہے کہ اس عبارت میں جو نفی کی گئی ہے وہ کسی ایسے نزول کی کی گئی ہے۔ جو دین کی تکمیل کے لئے ہوگا اور بحیثیت رسول کے ہوگا نہ کہ نفسِ نزول کی۔

چنانچہ سیاق و سباق اس کی صاف شہادت دے رہا ہے۔ اس سے اوپر مجدد کی نفی کی گئی ہے اور ظاہر ہے کہ وہاں بھی مقصود ایسی تجدید نہیں ہے جس پر ایمان لانا مثل ایمان

بالترسل کے ضروری ہو ورنہ حدیث مَن یُّجَدِّدُ لَہَا دِیْنَہَا الخ موجود ہے اور مجدد لغوی سے انکار کسی کو نہیں ہو سکتا۔ ایسے مجدد یعنی مصلحینِ حق پیدا ہو چکے ہیں اور پیدا ہوتے رہیں گے۔ حَتّٰی یَأْتِیَ اَمْرُ اللّٰہِ وَھُمْ غَالِبُوْنَ ؕ

بلاشبہ روایات میں نزولِ مسیح علیہ السلام کی خبر دی گئی ہے اور صحیحین کی روایات اس باب میں معلوم و مشہور ہیں۔ اس سے کسے انکار ہے۔ لیکن اس معاملہ کا تعلق قیامت کے آثار و مقدمات سے ہے نہ کہ تکمیلِ دین کے معاملہ سے۔ نیز انہی روایات میں تصریحات موجود ہیں کہ حضرت مسیح کا نزول بہ حیثیت رسول کے نہیں ہوگا۔ میں سمجھتا ہوں۔ اس تیرہ سو برس میں مسلمانوں کا متفقہ عقیدہ یہی رہا ہے کہ دین ناقص نہیں اور اپنے تکمیل کے لئے کسی نئے ظہور کا محتاج نہیں۔ کیا آپ سمجھتے ہیں، ایسا نہیں ہے۔؟

آپ پوچھتے ہیں احادیث کے بارے میں میرا عقیدہ کیا ہے؟ میں اس کا آپ کو کیا جواب دوں۔ کیا آپ کو میرے عقیدہ کی خبر نہیں؟ کیا آپ کی نظر سے میری بے شمار تحریرات نہیں گزر چکی ہیں؟ یہ سوال آپ اس شخص سے کر رہے ہیں جو اپنی تحریرات میں نہ صرف حدیث کو حجت اور واجب العمل ثابت کر چکا ہے بلکہ جس کو اس فہم کی توفیق ملی ہے کہ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ ؕ میں "حکمت" سے مقصود "سنّت" ہے اور جس نے جابجا مقدام کی روایت سے استدلال کیا ہے کہ اَلَا اِنِّیْ اُوْتِیْتُ الْکِتَابَ وَمِثْلَہٗ مَعَہٗ ؕ نیز روایت مشہورہ یُوْشِکُ رَجُلٌ شَبْعَانَ عَلٰی اَرِیْکَتِہٖ یَقُوْلُ عَلَیْکُمْ بِھٰذَا الْقُرْاٰنِ فَمَا وَجَدْتُّمْ فِیْہِ مِنْ حَلَالٍ فَاَحِلُّوْہُ وَمَا وَجَدْتُّمْ فِیْہِ مِنْ حَرَامٍ فَحَرِّمُوْہُ ؕ

اتنا ہی نہیں بلکہ جس کی تمام قلمی جدوجہد کیسر دعوتِ اتباعِ کتاب و سنّت پر مبنی رہی ہے اور جس کے عقیدہ میں "کتاب" کا ہر وہ اتباع اتباع نہیں جو "سنت" کے اتباع سے خالی ہو۔

این دو شمع اند کہ از یک دگر افروختہ اند

یہ ظاہر ہے کہ میں ایک شخص کے استفسار کا جواب لکھ رہا تھا۔ کوئی کتاب تصنیف نہیں کر رہا تھا۔ اس طرح کے سوالات روز لوگ کرتے رہتے ہیں اور کم سے کم جملوں میں جو جواب دے سکتا ہوں دے دیا کرتا ہوں۔ اسی استفسار کا جواب سینکڑوں آدمیوں کو دیا ہوگا۔ ہر بات کا ایک محل ہوتا ہے اور چاہیئے اس محل میں رہ کر اس پر غور کیا جائے۔ پھر خصوصاً اگر تحریر کسی ایسے شخص کی ہو

جس کے عقائد مسلک سے ہم ناواقف نہیں تو اور زیادہ ضروری ہو جاتا ہے کہ وہی مطلب ٹھہرائیں جو اس کے عقیدہ و مسلک کے لحاظ سے ہونا چاہیئے۔

اہل حق و دانش کا طریقہ جو ہمیں بتلایا گیا ہے وہ تو یہ ہے یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝

یہاں تک تو آپ کے استفسار کا جواب تھا اب ایک دو لطیفے بھی سن لیجیے۔

آپ نے اپنے مضمون کے آخر میں لکھا ہے کہ ایک ہفتہ کے اندر مجھے اس کا جواب دیا جائے اس سے معلوم ہوا کہ ابھی آپ نے رائے قائم نہیں کی ہے۔ میرے جواب کا انتظار ہے۔ لیکن مضمون کی سرخی میں آپ نے ازراہِ عنایت تنابز بالالقاب کے ساتھ میرا نام درج کر دیا ہے۔ گویا جزم و یقین کے ساتھ فیصلہ کر لیا۔ لطیفہ یہ ہے کہ اگر فیصلہ ہو چکا تو پھر استفسار کیوں؟ اور اگر استفسار ہے تو پھر یہ تنابز بالالقاب کیوں؟

دوسرا لطیفہ یہ ہے کہ خطوط میرے تھے۔ استفسار مجھ سے کرتا ہے لیکن مضمون آپ اخبار میں شائع کرتے ہیں اور پھر اس کا پرچہ ڈاک کے ذریعے بھیج دیتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جس ڈاک کے ذریعہ آپ کا اخبار مجھے مل سکتا ہے۔ اسی ڈاک کے ذریعہ آپ کا خط مجھے نہیں مل جاتا؟ شاید آپ نے خیال کیا خط بھیجنے کا زیادہ محفوظ ذریعہ یہی ہے کہ اخبار میں چھاپ دیا جائے۔ خیر ہر چہ از دوست میرسد نیکوست۔ اُمید ہے مع الخیر ہوں گے۔

ابوالکلام

اسی سلسلہ میں ایک اور صاحب کے جواب میں حضرت مولانا نے جو مکتوب تحریر فرمایا وہ بھی ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

عزیزی۔ السلام علیکم۔

آپ نے اخبار کا جو پرچہ بھیجا ہے۔ میں نے دیکھا جن صاحب نے میرے خطوط شائع کئے ہیں اگر وہ ان کے ساتھ اپنے خطوط بھی شائع کر دیتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔ اس طرح جواب کی نوعیت پوری طرح واضح ہو جاتی۔ جس عبارت کی نسبت آپ دریافت کرتے ہیں وہ دراصل ان کے

ایک خاص سوال کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ انہوں نے لکھا تھا کہ احمدی جماعت کے مبلغ کہتے ہیں۔ ہمیں حضرت مسیح علیہ السلام کے دوبارہ ظہور پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے اور دین کی تکمیل انہی کے ہاتھوں ظہور میں آئے گی۔ میں نے جواب میں لکھا کہ یہ صحیح نہیں اگر کسی زمانہ میں مسلمانوں کے لئے یہ بات ضروری ہونے والی تھی کہ کسی نئے ظہور پر ایمان لائیں اور دو شہادتوں پر ایک تیسری شہادت کا اضافہ ہو جائے تو ضروری تھا کہ اس کا انہیں صاف صاف حکم دیا جاتا۔

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ایسا کوئی حکم نہیں دیا گیا ہے پس معلوم ہوا کہ اب تکمیلِ دین کے لئے نہ کسی بروزی مسیح کی ضرورت ہے نہ حقیقی مسیح کی، قرآن آچکا اور دین کا معاملہ کامل ہو چکا پس اس عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ روایات میں جس نزولِ مسیح کی خبر دی گئی ہے۔ اس کا تعلق قیامت کے آثار و مقدمات سے ہے دین کی تکمیل سے نہیں ہے کہ حضرت مسیح بہ حیثیت ایک نبی کے نازل ہوں گے اور ہر مسلمان کے لئے ضروری ہوگا کہ نبوت کے ایک نئے ظہور پر ایمان لائے۔

یہ مطلب نہیں کہ بہ سلسلہ آثارِ قیامت نزولِ مسیح کی جو خبر دی گئی ہے اس کی نفی کی جائے۔ چنانچہ عبارت مسئولہ عنہا کا بغور مطالعہ کیجیے۔ سارا زور تکمیلِ دین اور شرائط ایمان و نجات کے معاملہ پر پڑ رہا ہے۔

اور جو کچھ نفی کی گئی ہے اسی کی کی گئی ہے۔ عبارت کے الفاظ یہ ہیں:

"اگر کسی زمانہ میں مسلمانوں کی نجات و سعادت اس پر موقوف رہنے والی تھی"

تو ضروری تھا کہ قرآن صاف صاف بیان کر دیتا۔ اسی طرح صاف صاف

جس طرح تمام مہمات اعتقادیہ کر دی ہیں"

یعنی نزولِ مسیح کی خبر محض آثارِ قیامت کے سلسلہ میں دی گئی ہے۔ مسلمانوں کی نجات و سعادت کے معاملہ کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگر ہوتا تو اس کا ہمیں حکم دیا جاتا۔ پس اب تکمیلِ دین کے لئے نہ کوئی بروزی مسیح آنے والا ہے نہ حقیقی۔

ابوالکلام